جج کے تقرر سے متعلق قواعد فقہیہ کا پاکستانی قوانین سے تطبیق کا جائزہ

حافظ محمد اسحاق *
محمد ہمایوں عباس شمس **

Abstract

The Islam has stressed the importance of "'*ADL*" in various contexts, indicating its great and deep significance in social relationships. It is the purpose and objective of all the Prophets of Allah to establish a system of justice on earth. In the early days of Islam the Prophet (PBUH) himself was the only judge among believers and non-believers. Caliph Umar bin al-Khattab was the first who separated judiciary from the executive and entrusted the Qadhis (judges) with power of deciding suits of purely civil nature. Independence of judiciary can hardly become reality unless competent judges are appointed in the judiciary. The role of a judge is very crucial and critical because he has the power to award proper punishment and also to decide civil cases on merits. To ensure the justice according to the Islam in consonance with the will of Allah, qualified, powerful and fearless persons should be appointed as judges. Because a position of judge is a trust for the benefit of public. The person appointed to it is a trustee and is accountable for the proper performance of the duties attached to such trust. The judge in the Islam enjoys full freedom and work quite independently without being influenced by any political pressure. The legal maxims are based on the fiqh itself. A legal maxim is reflective of a consolidated reading of the fiqh. Islamic Legal Maxims represent an important are of fiqh literature. Islamic legal

* حافظ محمد اسحاق، ریسرچ اسکالر، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد۔
**ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹیل لینگویج، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد۔

maxim has similarity to the judicial rules in many aspects, there for I analyses the appointment of judges as a comparative study in light of Islamic legal maxim and Pakistani laws. The Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, for instance, provides for the establishment of a judiciary which is independent from the other two branches of government. As per the wording of 1973 Constitution , The Chief Justice and the other judges of each Court are appointed by the President based on their experience and qualifications (article 193 (2))۔ I learnt after the study that a great difference and Contradiction was found between the constitution of Pakistan and Islamic legal maxim in Perspective of the appointment of judges.

KEYWORDS: Judge, Legal Maxim, Constitution of Pakistan.

اسلامی ریاست کے درج ذیل تین بنیادی ستون ہوتے ہیں:(۱) مقننہ (۲) انتظامیہ (۳) عدلیہ۔ اسلام میں عدل و انصاف کی بہت اہمیت ہے۔ نظام انصاف کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا کیونکہ اس معاشرہ میں جب نظام عدل نہیں ہے تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج ہو گا۔ نظام عدل کا دارو مدار منصفین یعنی قضاۃ پر ہے۔ جب ایک ایماندار اور قابل شخص منصب قضاء پر فائز ہو گا تو انصاف ہوتا ہوا نظر آئے گا، لیکن اگر وہاں بے ایمان اور خائن شخص براجمان ہے تو پھر معاشرے سے انصاف ناپید ہو جائے گا۔ ذیل میں فقہی قواعد اور پاکستانی قوانین میں قاضی کے تقرر کے حوالہ سے تطبیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

قواعد فقہیہ کا معنی و مفہوم و تعارف

قواعد فقہیہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔ دونوں کی الگ الگ لغوی تعریف ذکر کرتے ہیں۔ بعد میں اصطلاحی تعریف بھی ذکر کریں گے۔ قواعد قاعدہ کی جمع ہے ۔ قاعدہ کا مادہ **قعد** ہے۔[۱] اور لغت عرب میں قاعدہ' الاساس" (بنیاد) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲] قرآن مجید میں بھی قواعد کا معنی اساس بیان کیا گیا ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا [۳]

"اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ تو دونوں نے دعا کی۔ اے ہمارے رب ہماری یہ خدمت قبول فرما۔"

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے:

فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ (۴)

"پس اللہ نے ان کے مکر و فریب کی کئی بنیادوں کو اکھاڑ دیا۔"

سید شریف جرجانی(۵) لکھتے ہیں:

قضیة کلیة منطبقة علی جمیع جزئیاتها (۶)

فقہیہ کی نسبت فقہ کی طرف ہے اور یہ قواعد کی تعریف میں قید کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ فقہیہ کی قید سے دیگر قواعد خارج ہو گئے۔ جیسے قواعد ہندسہ اور قواعد نحو وغیرہ۔ فقہ تین حروف ف، ق اور ہ کا مجموعہ ہے۔ علماء لغت نے فقہ کا معنی العلم و الفهم (فقہ علم اور فہم) بیان کیا ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

العلم بالشیٔ و الفهم له و غلب علی علم الدین لسیادته و شرفه و فضله علی سائر انواع العلم کما غلب النجم علی الثریا (۷)

"فقہ سے مراد کسی شئ کا علم اور فہم ہے لیکن بعد میں فقہ کا علم دین پر غلبہ حاصل ہو گیا اور لفظ فقہ کا دیگر علوم پر اطلاق کی بجائے علم دین پر اطلاق اس کی سیادت، بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے ہوا ہے۔"

قرآن مجید میں لفظ فقہ کا اطلاق اکثر مقامات پر علم و فہم کے معنی میں کیا گیا ہے۔ جیسے

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۸)

"پس اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے۔"

فقہ کی اصطلاحی تعریف سید میر شریف جرجانی لکھتے ہیں:

العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المکتسبة من ادلتها التفصیلیة (۹)

قواعد فقہیہ کی اصطلاحی تعریف میں اصولیین کا اختلاف ہے۔ ذیل میں متقدمین، متاخرین اور عصر حاضر کے محققین کی تعریفات کا جائزہ لیتے ہیں۔ قواعد فقہیہ بحیثیت علم کے متعلق فقہاء کی مختلف تعریفات ملتی ہیں۔ لیکن ذیل میں صرف دو تعریفات پر اکتفاء کیا جائے گا۔ علامہ حموی حنفی نے قواعد فقہیہ کی یوں تعریف ذکر کی ہے:

هی عند الفقهاء حکم اکثری لا کلی ینطبق علی اکثر جزئیاته لتعرف احکامها منه (۱۰)

"فقہاء کے نزدیک قاعدہ فقہیہ سے مراد اکثری حکم ہے کلی حکم نہیں ہے جو اکثر یتی جزئیات پر منطبق ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے احکامات کی معرفت حاصل ہو۔"

عصر حاضر کے نامور محقق استاذ مصطفی زرقا (۱۱) یوں تعریف ذکر کرتے ہیں۔

القواعد الفقهیة هی اصول فقهیة کلیة فی نصوص موجزة دستوریة تتضمن احکاما تشریعیة عامة فی الحوادث التی تدخل تحت موضوعها (۱۲)

قواعد فقہیہ مختصر اور دستوری الفاظ میں وہ فقہی کلی اصول ہیں جو اس موضوع کے تحت آنے والے واقعات سے متعلق عمومی قانونی احکام کو شامل ہوں۔

شیخ زرقا کی تعریف دیگر محققین کی بیان کردہ تعریف کے مقابلے میں واضح ہے۔ لیکن شیخ زرقا کی تعریف میں **کلیة** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ قواعد فقہیہ اکثریتی ہیں۔ اسی طرح جب شیخ زرقا نے اصول کہا تو پھر **کلیة** کا لفظ ذکر کرنا تحصیل حاصل ہے۔

قانون(LAW) کی اصطلاحی تعریف

عصر حاضر میں قانون کسی ریاست کے لئے لازمی جزء بن گیا ہے۔ عربی میں عصری قانون کو قانون وضعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لفظ قانون کے بارے میں اختلاف ہے کہ قانون عربی لفظ ہے یا عجمی ہے۔ ابن منظور کی تحقیق کے مطابق قانون عربی لفظ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

القوانين: الواحد قانون وليس بعربي (۱۳)

"قوانین جس کا واحد قانون ہے اور یہ عربی لفظ نہیں ہے۔"

قانون کی اصطلاحی تعریف یوں ذکر کی گئی ہے۔

مجموعة القواعد القانونية المتبعة في دولة معينة مهما كان مصدرها (۱۴)

"قانون سے مراد قانونی قواعد کا وہ مجموعہ جس کی کسی ملک میں پیروی کی جاتی ہو اس کا مصدر جس طرح کا بھی ہو۔"

قانون سے مراد بھی چند قواعد ہیں پھر ان قواعد کو کسی بھی ملک میں جھگڑوں اور معاملات کے تصفیے کے لیے لاگو کیا جاتا ہے۔

قواعد فقہیہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہ قرآن بنیادی طور پر قواعد اور ضوابط کی کتاب ہے۔ قرآن مجید کے بنیادی قواعد ہر زمانے اور ہر وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے ایک فقہی قاعدہ ماخوذ ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ (۱۵)

پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں۔

درج بالا آیت سے فقہاء نے قاعدہ ماخوذ کیا ہے کہ:

الضرورات تبیح المحظورات (۱۶)

"ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے۔"

قرآن مجید کی طرح نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمودات میں بھی بہت سے ایسے اقوال ہیں جو بعد میں فقہاء نے ان کو قواعد فقہیہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر (۱۷)

"گواہ مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے۔"

امام نووی (۱۸) نے درج ذیل حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

ھذا الحدیث قاعدة کبیرة من قواعد احکام الشرع (۱۹)

"یہ حدیث بذات خود احکام شرع کے قواعد میں سے ایک بڑا قاعدہ ہے۔"

فقہی قواعد کی ضرورت واہمیت کا اندازہ محققین کی آراء سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ امام قرافی (۲۰) لکھتے ہیں:

من ضبط الفقه بقواعده استغنی عن حفظ اکثر الجزئیات لاندراجها فی الکلیات (۲۱)

"فقہ کو قواعد میں بند کرنے سے فقیہ اکثر جزئیات کو یاد کرنے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ کلیات میں داخل ہیں۔"

آئمہ اربعہ کے عہد میں مستقل طور پر تو قواعد فقہیہ کے متعلق کتب تو تحریر نہیں کی گئیں ہیں۔ مگر درج ذیل ایسی کتب ہیں۔ جن میں آئمہ کے قواعد واصول ملتے ہیں:

۱. المدونة الکبریٰ: از امام مالک بن انس
۲. کتاب الخراج: ازامام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم
۳. الجامع الکبیر: از امام محمد بن حسن شیبانی
۴. کتاب الاصل: از امام محمد بن حسن شیبانی
۵. کتاب الحجة علیٰ اہل المدینہ: از امام محمد بن حسن شیبانی
۶. کتاب الام: از امام محمد بن ادریس شافعی

حنفی فقہاء میں اولین قواعد فقہیہ فن کے اصل واضع امام ابوطاہر محمد بن محمد الدباس ہیں۔ امام ابوطاہر دباس نے فقہ حنفی کے اجتہادات کی روشنی میں سترہ قواعد جمع کئے ہیں۔ امام ابوطاہر دباس ہر رات یہ سترہ قواعد دہراتے تھے۔ اور وہ ان قواعد کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان قواعد کا علم امام ابوسعید ہروی شافعی (۲۲) کو ہوا۔ تو وہ قواعد کی جستجو میں ایک رات امام ابوسعید ہروی عشاء کی نماز کے بعد امام دباس کی مسجد کی صفوں میں چھپ گئے۔ حسب معمول امام ابو

طاہر دباس قواعد کو دہراتے رہے۔ اور امام ابوسعید ان کو یاد کرتے رہے۔ امام دباس ابھی تک سات قواعد تک پہنچے تھے کہ امام ابوسعید ہروی کو چھینک آئی جس پر امام طاہر دباس خاموش ہوگئے۔ امام ابوسعید ہروی نے واپس آکر انہی قواعد کی شاگردوں کو تعلیم دیناشروع کر دی۔ شیخ احمد زرقا نے اس روایت کو نقل کرکے شک وشبہ کا یوں اظہار کیا ہے:

والنقل بصورة مستبعدة لاتصح تفاصيلها ولكن الظاهر ان لها اصلاً ثانيا (۲۳)

اس واقعہ کی روایت ظاہرا صحیح نہیں ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔

قاضی کا معنی ومفہوم

قاضی کے تقرر سے متعلق قواعد فقہیہ ذکر کرنے سے پہلے تمہیدی طور پر قاضی کی تعریف اور شرائط کا "ادب القاضی" کی روشنی میں ذکر کرناضروری ہے۔ قاضی، قضاء سے مشتق ہے ابن منظور قاضی کا لغوی معنیٰ یوں ذکر کرتے ہیں:

هو القاطع للامور المحكم لها واستقضى فلان اى جعل قاضياً (۲۴)

"اختلافی امور کو ختم کرنے والا قاضی کہاجاتا ہے۔ استقضی فلاں مطلب فلاں کو قاضی بنایا گیا۔"

اصطلاحی تعریف یوں ذکر کی گئی ہے:

هو الذات الذى نصب وعين من قبل السلطان لاجل فعل وختم الدعوى والمخاصمة الواقعة بين الناس توفيقاً لاحكامها المشروعة (۲۵)

قاضی یا جج سے مراد وہ شخص ہے جس کو سربراہ حکومت کی طرف سے لوگوں کے درمیان جھگڑوں، دعوٰی جات کی چھان بین اور اختلافات ختم کرنے کے لئے مقرر کیا جائے۔

قاضی کی اقسام

اسلامی ادب القضاء کی روشنی میں قاضی کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ قاضی الخصومات

قاضی خصومات کو قاضی العادی بھی کہاجاتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ قاضی ہے۔

هو القاضى الذى نصب من قبل الامام لتولى وظيفة مخصوصية غير الاحتساب والمظالم (۲۶)

اس سے مراد سربراہ مملکت کی طرف سے امورر کردہ وہ قاضی ہے جو لوگوں کے مابین احتساب اور مظالم کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرے۔

قاضی الخصومات کے دائرہ کار میں حدود وتعزیر سے متعلق سب کے سب مقدمات شامل ہیں۔ اس طرح

لوگوں کے حقوق اوراموال سے متعلق قواعد اور مصلحت عامہ کے سب کے سب مقدمات شامل ہیں۔

۲۔ قاضی المظالم

هو قاضي ينصب لرفع كل مظلمة تحصل من الدولة على اي شخص يعيش تحت سلطان الدولة (۲۷)

ریاست کی طرف سے اپنی رعایا پر ظلم یا زیادتی کے تصفیہ کے لئے جو شخص مقرر کیا جاتا ہے۔ اسے قاضی المظالم کہتے ہیں۔۔

سربراہ مملکت یا حکومتی عمال پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں قاضی اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

۳۔ قاضی الحسبۃ

هو القاضي الذي ينظر في كافة القضايا التي هي حقوق عامة ولا يوجد فيها مدع على ان لا تكون داخلة في الحدود والجنايات (۲۸)

لوگوں کے عمومی حقوق سے متعلق فیصلے صادر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔اور ان کے حقوق میں مدعی کوئی نہیں ہوتا ہے اور ان تمام حقوق کا تعلق حدود اور جنایات سے بھی نہ ہو۔

محتسب معاشرتی جرائم اور مجموعی معاشرتی حقوق کی خلاف ورزی سے نمٹتا ہے۔ جیسے ناپ تول میں کمی، ناجائز تجاوزات اور اعلانیہ گناہ کبیرہ کرنے والے لوگوں کے خلاف مقدمہ کی کاروائی کا اختیار ہے۔لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بنیادی طور پر محتسب کی ذمہ داری ہے۔

قاضی کے تقرر کی شرائط

قاضی / جج کے تقرر کے لئے بہت سی شرائط ذکر کی گئی ہیں۔ جن میں کچھ تو متفق ہیں اور کچھ میں اختلاف ہے۔

متفقہ شرائط

اکثر فقہاء کے نزدیک متفقہ شرائط درج ذیل ہیں:

ا۔ مسلمان ہونا

مسلمان کے امور کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (۲۹)

"اور اللہ نے کافروں کو مسلمانوں پر (غلبہ پانے کی) ہرگز کوئی راہ نہیں دے گا۔"

اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کافر نہیں کر سکتا ہے۔البتہ اس میں

اختلاف ہے کیا غیر مسلموں کے مقدمات کا فیصلہ غیر مسلم کر سکتا ہے یا نہیں ہے۔کچھ فقہاء کا موقف تو یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم بشخص بالکل قاضی نہیں بن سکتا ہے:

فلایجوز ان یقلد الکافر القضاء علیٰ المسلمین و لا علی الکفار (۳۰)

۱۔عقل وبلوغت

مجنون، پاگل اور دیوانہ اسی طرح بچے بھی قاضی بننے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔ (۳۱)

۲۔حریت (آزادی)

غلام بھی قاضی نہیں بن سکتا ہے۔کیونکہ جب غلام اپنے اوپر ولایت نہیں رکھتا ہے تو دوسروں کی ولایت کا کیسے حق دار ہے ؟۔

۳۔اعضاء وحواس کا صحیح سلامت ہونا

اشیاء کے ادراک کے لئے حواس کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے بغیر کامل ادراک حاصل نہیں ہوتا ہے۔زبان، کان، آنکھ وغیرہ کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ (۳۲)

۴۔شرعی احکام کا عالم ہونا

جاہل قاضی کے متعلق نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

و رجل قضیٰ للناس علیٰ جھل فھو فی النار۔ (۳۳)

"جو لوگوں کے درمیان جاہل آدمی فیصلہ کرتا ہے وہ آگ میں ہوگا۔"

۵۔قاضی کا عادل ہونا

عدالت سے مراد قاضی کا سچ بولنا، امین ہونا، گناہ کبیرہ سے بچنا، خوشی اور غصہ میں عقل پر قابو اور شک سے دور بھاگنا ہے۔ (۳۴)

اختلافی شرائط

۱۔مرد ہونا

فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا قاضی کے لئے مرد ہونا ضروری ہے یا پھر عورت بھی قاضی کے فرائض سرانجام سے سکتی ہے ؟۔فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس بات کی طرف چلے گئے ہیں کہ عورت قاضی نہیں بن

سکتی ہے صرف مرد ہی قاضی یا حاکم کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔[۳۵] سب سے بڑی دلیل ان حضرات نے بخاری کی حدیث پیش کی ہے:

لما بلغ النبی ان فارس املکوا ابنة کسری قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امراة۔[۳۶]

جب نبی پاک (ﷺ) کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جن کے امور عورت کے ہاتھ میں ہوں۔

امام حسن بصری وغیرہ اس بات کی طرف چلے گئے ہیں کہ عورت مطلقاً قاضی بن سکتی ہے۔[۳۷] حنفی فقہاء اس بات کی طرف چلے گئے ہیں کہ جن احکام میں عورت کی شہادۃ قبول کی جاسکتی ہے۔ ان امور میں عورت قاضی بھی بن سکتی ہیں اور جن امور میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہے ان میں وہ قاضی نہیں بن سکتی ہے۔ لہٰذا عورت حدود و قصاص کے احکام کا فیصلہ نہیں کرسکتی ہے۔ باقی امور میں قاضی بن سکتی ہے۔[۳۸]

۲۔ مجتہد ہونا

فقہاء کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا قاضی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اور مجتہد سے مراد یہ ہے:

بذل مجتھد وسعه فی طلب العلم بالاحکام الشرعیة۔[۳۹]

"مجتہد کا احکام شرعیہ کے لئے اپنی رائے قائم کرنے کی کوشش کرنا۔"

جمہور علمائے مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور بعض احناف کا مؤقف یہ بھی ہے کہ قاضی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے۔[۴۰] لیکن دیگر بعض احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اجتہاد قاضی کے لئے شرط نہیں ہے۔ جیسے کاسانی فرماتے ہیں:

ان الاجتھاد لیس بشرط لجواز التقلید۔[۴۱]

"(قاضی) کی تقلید کے جواز کے لئے اجتہاد شرط نہیں ہے۔"

قاضی کے تقرر سے متعلق قواعد فقہیہ

مبحث نمبر ا

یقدم فی کل ولایة من ھو اقوم بمصالحھا[۴۲]

ہر ولایت میں مصالح کے اعتبار سے موزوں ترین شخص کا انتخاب کیا جائے گا۔

یہ فقہی قاعدہ جلب مصالحت اور درء المفاسد کے حصول کے لئے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ ولایت قضاء میں لوگوں کی مصالح ہیں۔ لہٰذا قضاء میں قاضی کے تقرر میں درج بالا فقہی قاعدہ کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ سرکاری مناصب میں اس عہدے کے اعتبار سے جن لوگوں کا انتخاب بھی کیا جائے اس بات کا لازمی خیال رکھا جائے کہ اس

عہدے یا ولایۃ کے حوالہ سے موزوں ترین شخص کا انتخاب کیا جائے۔ دیگر فقہاء نے علاوہ ازیں اور بھی قواعد بھی ذکر کئے ہیں جو کہ مذکورہ قاعدے سے مناسبت خاص رکھتے ہیں۔

۱۔ **القضاء من الولایات العامۃ التی یتقلدھا الامام و فی حالۃ فقدہ یتولی تقلید القضاء اھل الاختیار۔** (۴۳)

"قضاء ولایت عامہ سے ہے اور یہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے۔ خلیفہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اپنا فرض منصبی (قضاء) کا کسی اہل شخص کے سپرد کر سکتا ہے۔"

۲۔ **الولایۃ العامۃ سلطۃ علیٰ الزام الغیر انفاذ التصرف علیہ بدون تفویض منہ تتعلق بامور الدین و الدنیا و النفس و المال** (۴۴)

"ولایت عامہ ایک صوابدیدی اختیار ہے جو کسی دوسرے پر لازم کرنا اور اختیارات کے استعمال کو کسی دوسرے شخص کے سپرد کرنا ہے۔ ان امور کا تعلق دین، دنیا، اشخاص اور مال کے ساتھ ہوتا ہے۔"

ولایت عامہ کا تعلق ہر اس چیز کے ساتھ ہے جس میں ریاست کے ہر فرد کا مفاد ہو۔ اس بات میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ قاضی کا تقرر خلیفہ وقت یا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ ولایت قضاء کا تعلق مصلحت عامہ سے ہے۔ نبی پاک (ﷺ) اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے زمانے میں تو قاضی کے تقرر میں صوابدیدی اختیارات استعمال کیے جاتے تھے۔ خود نبی پاک نے جن لوگوں کو مختلف علاقوں کی طرف قاضی بنا کر بھیجا ہے ان میں انتخاب وغیرہ کا باضابطہ طریقہ کوئی نہیں تھا۔ نبی پاک نے اپنے صوابدیدی اختیارات کے مطابق مختلف صحابہ کرام کو منصب قضا پر فائز کیا۔

شرعی قانون سے تطبیق

فَكَانَ نَصْبُ الْقَاضِي مِنْ ضَرُورَاتِ نَصْبِ الْإِمَامِ فَكَانَ فَرْضًا وَقَدْ سَمَّاهُ مُحَمَّدٌ فَرِيضَةً مُحْكَمَةً لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النَّسْخ (۴۵)

قاضی کا مقرر کرنا خلیفہ وقت کے بنیادی فرائض میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی کا تقرر فرض ہے۔ امام محمد نے فرض محکم کا درجہ دیا ہے جو کہ نسخ کا احتمال بھی نہیں رکھتا ہے۔

مبحث نمبر ۲:

مالا یتم الواجب إلا بہ فھو واجب۔ (۴٦)

جب کوئی فرض ماسوائے اس کے پورا نہیں ہو سکتا تو اسی کے ذریعے ادائیگی فرض ہے۔

درج بالا فقہی قاعدہ مطلق ہے۔ منصب قضاء کے حوالے سے ذیل کے فقہی قواعد وضاحت کے لئے درج ذیل ہیں:

من تعین علیہ یفترض علیہ القبول فان امتنع لا یجبر (۴۷)

"جس کو کسی خاص فریضہ پر متعین کیا جائے اس سے بالجبر یہ فریضہ یا کام کروایا جائے گا۔"

من تعین علیہ فرض اخذ بہ جبرا (۴۸)

اگر کسی شخص کو کسی عہدے کے لئے نامزد کیا جائے تو اس کے لئے عہدہ قبول کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ انکاری ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

درج بالا فقہی قاعدے اور ضوابط میں تضاد ہے۔ پہلے قاعدہ کا معنٰی یہ ہے کہ اگر کوئی قضاء کے اہل شخص منصب قضاء نہیں لینا چاہتا تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن مابعد میں ذکر کئے گئے قاعدہ کی عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سربراہ مملکت کو اختیار ہے کہ وہ منصب قضاء کے قبول کرنے پر کسی شخص کو مجبور کر سکتا ہے۔ دونوں قواعد اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں کیونکہ قاعدہ نمبر:۲ یعنی **من تعین علیہ یفترض علیہ القبول فان امتنع لا یجبر** احناف کے نقطہ نظر کے مطابق ہے۔ لیکن اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں بہت سے قابل اشخاص قاضی ہوں تو پھر اس صورت میں فرد واحد کو قبول قضاء پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہاں منصب قضاء کے لئے صرف ایک ہی قابل شخص ہے تو پھر منصب قضاء کے قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ حنفی فقہاء فرماتے ہیں:

ھذا اذا کان فی البلاد عدد یصلحون للقضاء فاما اذا کان لم یصلح لہ الا رجل واحد فانہ یفترض علیہ القبول اذا عرض علیہ لانہ اذا لم یصلح لہ غیرہ (۴۹)

منصب قضاء سے انکار کی گنجائش اس وقت ہے۔ جب شہر میں دیگر اہل شخص موجود ہوں۔ اور اگر صرف ایک ہی شخص شہر میں قابل ہو تو اس وقت منصب قضاء کو قبول کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس شخص کے علاوہ کوئی موزوں ترین فرد موجود ہی نہیں ہے۔

جب کہ فقہی ضابطہ **من تعین علیہ فرض اخذ بہ جبرا** ان فقہاء کے نزدیک قابل عمل ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ سربراہ مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قضا کے قابل شخص کو عہدہ قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک بھی شرط یہی ہے کہ اس کا متبادل ماسوائے اس کے کوئی نہ ہو تو ایسے شخص کو عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء مالکیہ، حنابلہ، بعض احناف اور شافعیہ اس بات کی طرف چلے گئے ہیں کہ:

ان الامام اجبار احد المتاھلین اذا لم یوجد عنہ عوض (۵۰)

سربراہ مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اہلیت رکھنے والے شخص کو عہدہ کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ جب اس کا کوئی متبادل قابل اور اہل شخص نہ پائے۔

قانون شرعی سے تطبیق

ا۔ قضاء فرض کفایہ میں سے ہے۔اور قضاء شارع کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر شہر میں تمام نیک اور صالح لوگ منصب قضاء سے انکار کر دیں تو خلیفہ ان کو منصب قضاء قبول کرنے پر مجبور سکتا ہے۔[۵۱]

مبحث نمبر:۳

الضرورات تبیح المحظورات [۵۲]

"ضرورت حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہے۔"

ان الاصل العام فی طلب الولایة المنع [۵۳]

"ولایت (عہدہ) کے طلب میں اصل حکم منع کا ہے۔"

درج بالا قواعد کی مناسبت سے ایک مشہور ضابطہ ہے۔

طالب الولایة لا یولی [۵۴]

"ولایت (عہدہ) کے طلبگار کو عہدے پر فائز نہیں کیا جائے گا۔"

کئی احادیث مبارکہ میں منصب قضاء کی خواہش یا طلب کی مذمت کی گئی ہے۔ فقہاء نے انہی احادیث کی روشنی میں فقہی قواعد وضع کئے ہیں۔ درج بالا فقہی قواعد کا لفظی مطلب واضح ہے۔اوپر مذکور دونوں قواعد کا مفہوم ایک ہی ہے۔لیکن فقہی قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات کی رو سے منصب قضاء کی طلب کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ذیل میں منصب قضاء کی طلب کے حوالے سے قدرے تفصیل سے بات ہو گی۔

اسلام کا فلسفہ طلبِ مناصب

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سرکاری مناصب اور عہدہ جات کی طلب منع ہے۔کوئی بھی شخص بذات خود سرکاری عہدہ طلب نہیں کر سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری مناصب و اختیارات کے بغیر انسان زہد و تقوی کی زندگی گزار سکتا ہے۔اس بات پر نبی پاک کے کئی ارشادات ہیں چند فرامین ملاحظہ ہوں:

ا۔ **انا واللہ لا نولی علی ہذا العمل احدا سالہ ولا احدا حرص علیہ**[۵۵]

"خدا کی قسم ہم اس شخص کو کوئی فریضہ نہیں سونپتے جس نے اس کا سوال کیا ہو۔اور نہ اس کو سونپتے ہیں جو عہدے کا خواہش مند ہو۔"

۲۔ **یا عبدالرحمن بن سمرة لاتسال الامارة فانک ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها و ان اعطیتها عن غیر**

مسالۃ اعنت علیھا [۵٦]

"اے عبدالرحمن بن سمرہ کسی عہدے کا سوال نہ کر۔ کیونکہ اگر تجھے سوال کرنے سے عہدہ ملے تو تم خود اس کے انجام کے ذمہ دار ہو۔ اور اگر تجھے بغیر سوال کے ملے تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔"

۳۔ **مامن امیر ولا وال الا یوتی بہ یوم القیامۃ مغلولۃ یداہ الی عنقہ اطلقہ عدلہ او ثقہ جورہ۔** [۵۷]

"قیامت والے دن ہر امیر اور حکمران اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے ہوں گے۔ ان باندھے ہوئے ہاتھوں کو اس کا کیا ہوا انصاف چھڑوا دے گا یا پھر ان کو مزید پختہ کر دے گا۔"

اگر مناصب کی طلب کے حوالے سے جواز کے دلائل کی طرف رجوع کیا جائے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خود منصب طلب کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ [۵۸]

"مجھے زمین کے خزانوں کا نگہبان بنادو میں حفاظت بھی کرنے والا ہوں اور اس کا علم بھی رکھتا ہوں۔"

اسی طرح اگر صحابہ کرام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ جیسے صحابی رسول نے اپنے منصب کو نہیں چھوڑا۔ لہذا فقہاء نے جواز اور عدم جواز کے دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے طلب منصب کی درج ذیل صورتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ منصب قضاء کی طلب حرام

اس شخص کے لئے منصب کی طلب کرنا حرام ہے جو امور قضاء سے بالکل جاہل ہو اور اس عہدے کو حاصل کرنے کا مقصد صرف اور لوگوں سے انتقام لینا اور ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنا ہو۔ [۵۹]

۲۔ منصب قضاء کی طلب مکروہ

اس شخص کے لئے منصب کی طلب مکروہ ہے جو خود تو اس عہدے کی صلاحیت رکھتا ہو مگر اس سے زیادہ با صلاحیت اور اہلیت رکھنے والا شخص موجود ہو۔ اس وقت بھی طلب قضا مکروہ ہے جب قضاء کے ذریعے سے فخر اور تکبر کا حصول مقصد ہو۔ [٦۰]

۱۔ منصب قضاء کی طلب فرض

جب کسی اہل شخص کو منصب قضاء پیش کیا جائے اور اس سے موزوں ترین شخص بھی نہ ہو تو اس وقت اس عہدے کو قبول کرنا فرض ہے اور عہدے کا طلب کرنا بھی فرض ہے۔ کیونکہ طلب نہ کرنے پر کسی نااہل شخص کو اس

عہدے پر فائز کیا جاسکتا ہے۔ (۶۱)

۲۔ منصب قضاء کی طلب مستحب

قضاء کا عہدہ اس شخص کے لئے طلب کرنا مستحب ہے جو اہل بھی ہو اور اس کا مقصد انصاف کا بول بالا کرنا ہو مگر ساتھ یہ خوف بھی ہو کہ کوئی ناجائز و غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ (۶۲)

۳۔ منصب قضاء کی طلب مباح

اگر کوئی شخص غریب ہو اور اس کی عیال بہت ہی زیادہ ہو تو ایسے شخص کے لئے رزق حلال کی تگ و دو کرنا مباح ہے۔ لہٰذا قاضی کا اجرت کی نیت سے عہدے کا طلب کرنا مباح ہے۔ (۶۳)

شرعی قانون سے تطبیق

فقہ اسلامی میں اگر نااہل شخص کو بھی امام یا قاضی بنایا جائے تو اس کی قضاء درست ہے۔

وَلَوْ وَلِيَ الْإِمَامَ غَيْرُ أَهْلٍ نَفَذَ قَضَاؤُهُ لِلضَّرُورَةِ۔ (۶۴)

''اگر نااہل شخص کو امام بنایا جائے تو اس کی قضاء ضرورت کے لیے نافذ ہے۔''

عصر حاضر میں طلب قضاء کا حکم

پاکستان کے عصری قانون میں منصبِ قضاء طلب کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ طور پر لوگ خود درخواست گزار ہوتے ہیں۔ پھر مسابقاتی امتحانات اور انٹرویوز ہوتے ہیں۔ فقہی قاعدہ **طالب الولایۃ لا یولی اور ان الاصل العام فی طلب الولایۃ المنع** پاکستان کے عصری قانون سے کلی طور پر عدم مطابقت رکھتے ہیں۔ جبکہ فقہی قاعدہ **الضرورات تبیح المحظورات** کی روشنی اور عصر حاضر میں بڑھتی ہوئی بیروزگاری کے تحت طلب قضاء میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ درج بالا فقہی قواعد کی روشنی میں عصر حاضر میں طلب قضاء کا حکم کچھ یوں ہے:

۱۔ اگر کوئی امور قضاء وعدالتی قوانین سے ناواقف شخص جج کی تقرری کا خواہش مند ہے یا جج کے عہدے کے ذریعے سے رشوت، بیلک میلنگ یا دباؤ سے دولت حاصل کرنا چاہتا ہو یا پھر اپنے فیصلہ جات میں رشتہ داری اور تعلق کی رعایت کرنا چاہتا ہے تو ایسے حالات میں جج کے عہدے کی طلب حرام ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص امور قضاء کا اہل بھی ہے اور اس کی نیت میں انصاف کا بول بالا ہے۔ جبکہ ملک میں کرپشن، رشوت، چوری، ظلم کا بازار گرم ہو اور اس کو یقین کامل ہو کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو کما حقہ پورا کرتے ہوئے انصاف کا ترازو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا تو ایسی صورت میں طلبِ قضاء واجب ہے۔

۳۔ اگر کوئی اہل شخص صرف رزق حلال کمانے کی خاطر اس وجہ سے جج کا عہدہ طلب کرتا ہے کہ اس کے بچے بھوک سے بچ جائیں تو ایسی صورت میں جج کا عہدہ طلب کرنا مباح ہے۔

مبحث نمبر:۴

الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ(۶۵)

"ولایت خاصہ ولایت عام سے اقویٰ ہے۔"

ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ولایت عامہ

اس ولایت سے مراد وہ ولایت ہے جس سے ریاست کے ہر فرد کی منفعت یا نقصان کا تعلق ہو۔ جیسے خلیفہ وقت کی ولایت، عاملوں، گورنروں، قضاۃ وغیرہ کی ولایت ہے۔ان تمام مناصب کے ساتھ ریاست کے نفع و نقصان بھی معلق ہیں۔

۲۔ولایت خاصہ

کسی فرد کی دوسرے یا اپنی ذات پر ولایت ہے۔ جیسے باپ کی ولایت، مال کی ولایت، اسی طرح یتیم بچے کی ولایت وغیرہ ولایت خاصہ کہلاتی ہے۔(۶۶) نبی پاک (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: **السلطان ولی من لا ولی له**(۶۷)

جس شخص کا کوئی ولی نہیں ہے اس کا ولی سلطان / قاضی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی درج بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ولایت خاصہ، ولایت عامہ پر مقدم ہے ورنہ اگر کسی کے لئے ولایت عامہ ہوتی تو اس کے لئے ولایت سلطان کا اعتبار کیا جاتا۔ کیونکہ ولایت خاصہ خلیفہ کی طرف اس وقت منتقل ہوتی ہے جب کسی کی ولایت ہی نہ ہو۔

قانون شرعی سے تطبیق

۱۔ قاضی یا جج وقف کے مال یا بیت المال میں تصرف نہیں کر سکتا ہے۔باوجود اس کے کہ وہ اس کا والی ہے یہاں تک کہ وہ اجازت کے ساتھ بھی وقف کے مال کو خرچ کرنا چاہئے تو نہیں کر سکتا لیکن اس کے برعکس جو ولی خاص مثلاً یتیم کا ولی وہ یتیم بچے کے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔اسی طرح قاضی کو اولاد صغیر کی شادی کرانے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اگر قاضی کے علاوہ کوئی ولی خاص ہو تو وہ شادی کرا سکتا ہے۔(۶۸)

مبحث نمبر:۵

كل مايمنع الابتداء يمنع البقاء۔(۶۹)

"جو کام شروع میں مشروع نہیں ہے وہ بقاء کے لئے بھی ممنوع ہے۔"

جو شرائط کسی مسئلے کے متعلق ابتداء میں لگائی گئیں یا پارلیمنٹ سے منظور کروائی گئیں۔ وہ اس کے بقاء و دوام کے لئے بھی لازمی ہیں۔ قاضی کے لئے جن شرائط کا تقرر کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔ان کا قاضی کے معزول ہونے کے وقت تک پایا جانا ضروری ہے۔فقہاء نے مذکور قاعدے کے ضمن میں ایک اور قاعدہ بھی بیان کیا ہے۔

السلامة من الافات اهيب لذوی الولايات۔(۷۰)

"ظاہری اعضاء صحیح رکھنے والے کو عہدہ دیا جائے گا۔"

منصب قضاء ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔کیونکہ قاضی کو بمنزل ملک الموت کہا گیا ہے۔ قاضی کی زبان سے نکلا ہوا حرف انسان کی تقدیر ہے۔لہذا فقہاء نے اس بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سلامتی اعضاء کی شرائط لگائی ہیں۔کچھ حضرات نے اس پر اعتراض یہ کیا ہے کہ نبی پاک نے ایک جنگ کے موقع پر ابن ام مکتوم کو مدینے کا خلیفہ بنایا۔لہذا قاضی یا خلیفہ کے لئے سلامتی اعضاء کی شرط درست نہیں ہیں۔ لیکن یہ دلیل درست نہیں ہے۔کیونکہ نبی پاک نے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کو امام کی ولایت عطاء کی تھی۔حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

عن عائشة ان النبی استخلف ابن ام مكتوم علی المدينة يعلی بالناس(۷۱)

"حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی پاک نے حضرت عبد اللہ بن مکتوم کو مدینے میں اپنے بعد خلیفہ بنایا۔"

قانون شرعی سے تطبیق

جمہور علماء نے بیان کیا ہے کہ قاضی نابینا نہ ہو، گونگا نہ ہو اور بہرہ نہ ہو۔کیونکہ اوصاف کا قاضی کے فیصلے پر اثر پڑتا ہے۔(۷۲)

پاکستانی عصری قانون سے تطبیق

پاکستان میں جو بھی سرکاری عہدہ رکھتا ہے۔اس کے لئے ابتداء میں میڈیکل فٹنس سرٹیفکیٹ کا ہونا ضروری ہے۔

Medical certificate should ordinary be required from candidates on first appointment to Government service if they are likely to officiate or to hold temporary post for any period. (73)

قاضی کا تقرر۔ ایک جائزہ

عہد نبوی سے لے کر اسلامی حکومتوں کے تقریبا تمام ادوار میں خلیفہ وقت ہی قاضیوں کا تقرر کرتا رہا ہے۔ جیسے حضرت عمر بن خطاب نے مدینہ منورہ میں ابودرداء، کوفہ میں قاضی شریح بن حارث اور بصرہ میں ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کیا۔ اسی طرح مصر میں عثمان بن قیس سہمی کو قاضی مقرر کیا۔ (۷۴)

قضاء اصل میں خلیفہ وقت کا بنیادی فریضہ ہے مگر چونکہ مملکت کے دیگر امور میں مصروف ہونے کی بناء پر قاضی اپنا یہ فریضہ کسی دوسرے شخص کو سونپتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ لہذا نااہل شخص کو یہ فریضہ نہیں سونپا جاسکتا ہے۔ نیز سربراہ مملکت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ قاضی کا تقرر خود کرے یا پھر کسی شخص کے ذمے لگائے کہ وہ قضاۃ یا ججوں کا تقرر کرے۔ ججوں کے تقرر کے لئے سربراہ مملکت کے مسلمان ہونے کی شرط ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فاسق یا ظالم بھی کسی شخص کو جج یا قاضی مقرر کرے تو یہ تقرر درست ہو گا۔

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل و الجائر و لو کان کافرا (۷۵)

"قاضی کا تقرر سلطان عادل یا ظالم ہو اسکی طرف سے جائز ہے اسی طرح اگر سلطان کافر بھی ہو پھر بھی قاضی کا تقرر جائز ہے۔"

درج بالا فقہی قاعدے کی روشنی میں محقق اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مختلف اسلامی ممالک کے سربراہان چاہے فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوان کا ججوں کا تقرر کرنا درست ہے۔ اسی طرح اگر غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مقدمات کے حل کے لئے مسلمان ججوں کا تقرر کیا جائے تو یہ بھی درست ہو گا۔ غیر مسلم ممالک میں اگر مسلمان جج یا قاضی نہ ہوں تو اس کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں:

ولو استولی الکفار علی اقلیم عظیم فولوا القضاء لمن یقوم بمصالح المسلمین العامۃ۔ (۷۶)

"اگر کفار کا کسی بڑے ملک پر قبضہ ہو جائے تو وہ لوگ اس شخص کو قاضی مقرر کریں جو مسلمانوں کی مصلحت عامہ کو سمجھتا ہو۔"

عصر حاضر میں مختلف اسلامی ممالک میں قاضی و ججوں کی تقرری کی مختلف شرائط ہیں۔ اکثر ممالک میں مروجہ طریقہ کار میں سربراہ مملکت کے صوابدیدی اختیار نہیں ہیں۔ مختلف غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے عائلی مسائل کے حل کے لئے "اسلامی شرعی عدالتوں" کا قیام بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔ جیسے برطانیہ میں مسلم ثالثی کمیشن بنایا گیا ہے۔

The Muslim Arbitration tribunal is a form of alternative dispute resolution which operates under the Arbitration act 1996. (77)

"مسلم ثالثی کمیشن جھگڑوں کے فیصلہ جات کا متبادل ذریعہ ہے جو کہ ثالثی ایکٹ ۱۹۹۶ء کے تحت کام کرتا ہے۔"

پاکستان میں قاضی / ججز کے تقرر کا طریقہ کار

پاکستان میں عدالتوں کی اقسام:

۱۔ سپریم کورٹ
۲۔ ہائی کورٹس
۳۔ وفاقی شرعی کورٹس
۴۔ ضلعی کورٹس
۵۔ نیم عدالتی ادارے

سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججز کی تقرری کا طریقہ کار

۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت پاکستان کے دار الخلافہ میں ایک سپریم کورٹ جبکہ ہر صوبہ میں ایک ایک ہائی کورٹ کا ہونا ضروری ہے۔

There shell be a Supreme Court of Pakistan.(78)

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کی رو سے سپریم کورٹ آف پاکستان کا سب بڑا جج (قاضی القضاۃ) چیف جسٹس آف پاکستان ہو گا۔ چیف جسٹس آف پاکستان کے ماتحت دیگر ججز کی تعداد پارلیمنٹ آف پاکستان کی سفارشات کے مطابق ہو گی۔(۷۹)

چیف جسٹس آف پاکستان کی تقرری

سپریم کورٹ آف پاکستان کے سینئر ترین جج کو چیف جسٹس آف پاکستان کا عہدہ ملتا ہے۔(۸۰)

سپریم کورٹ کے ججز کی تقرری کا طریقہ کار

سپریم کورٹ میں ججز کی تقرری کے لئے ایک عدالتی کمیشن قائم ہے جو کسی جج کی تقرری کی سفارش پارلیمانی کمیٹی کو کرتا ہے۔ عدالتی کمیشن میں درج ذیل ممبران ہوں گے۔

۱۔ چیف جسٹس آف پاکستان
۲۔ سپریم کورٹ کے چار سینئر ترین جج

۳۔ سپریم کورٹ کا ایک سابق چیف جسٹس

۴۔ قانونی وانصاف کے وفاقی وزیر

۵۔ اٹارنی جنرل آف پاکستان

۶۔ سپریم کورٹ بار کونسل کی طرف سے نامزد مقدم ترین وکیل [۸۱]

پارلیمانی کمیٹی کے ممبران

پارلیمانی کمیٹی آٹھ ممبران پر مشتمل ہو گی چار اراکین سینٹ میں سے جبکہ چار اراکین قومی سمبلی سے لئے جائیں گے۔ پھر پارلیمانی کمیٹی کے چار اراکین حکومتی نشستوں سے جبکہ چار اراکین حزب اختلاف کے بنچوں سے ہوں گے۔[۸۲] پارلیمانی کمیٹی چودہ دن کے اندر مجموعی اکثریت سے توثیق شدہ جج کی نامزدگی وزیراعظم آف پاکستان کو بھیجے گی۔ وزیراعظم پھر اس سمری کو تقرری کے لئے صدر پاکستان کو ارسال کرے گا۔ صدر پاکستان وزیراعظم کی سفارش پر جج کا تقرری نامہ جاری کرے گا۔[۸۳]

سپریم کورٹ میں ججوں کی تقرری کی شرائط

۱۔ پاکستانی شہری ہو

۲۔ پانچ سال کا تجربہ بطور ہائی کورٹ جج

۳۔ پندرہ سال کا بطور وکیل تجربہ [۸۴]

ہائی کورٹس میں ججز کی تقرری کا طریقہ کار

۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق پاکستان کے ہر صوبے کے دارالخلافہ میں ہائی کورٹ کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت پاکستان کے تمام صوبہ جات میں ہائی کورٹس اور اس کے ماتحت بینچ کام کر رہے ہیں۔

سپریم کورٹ کی طرح ہائی کورٹس میں بھی ججوں کی تقرری طریقہ کار ہے۔ ہائی کورٹس میں ججوں کی تقرری کے لئے عدالتی کمیٹی درج ذیل ممبران پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ چیف جسٹس آف ہائی کورٹ

۲۔ ہائی کورٹ کا سینئر ترین جج

۳۔ صوبائی وزیر قانون

۴۔ پندرہ سالہ وکالت میں تجربے کا حامل وکیل جسے بار کونسل نے دو سال کے لئے منتخب کیا ہو[۸۵]

درج بالا عدالتی کمیٹی ججوں کی تقرری کی سفارش پارلیمانی کمیٹی کو کرے گی۔پارلیمانی کمیٹی اپنی سفارشات وزیر اعظم کو بھیجے گے وزیر اعظم پھر صدر کو سفارشات ارسال کرے گا۔صدر تقرری نامہ جاری کرے گا۔

ہائی کورٹس کے ججوں کی تقرری کی شرائط

۱۔ پاکستانی شہری ہو
۲۔ پینتالیس سال زیادہ سے زیادہ عمر ہو۔
۳۔ دس سال ہائی کورٹ میں وکالت کا تجربہ رکھتا ہو۔
۴۔ تین سال کا بطور ڈسٹرکٹ جج کا تجربہ رکھتا ہو۔
۵۔ دس سال بطور جج تجربہ (۸۶)

وفاقی شرعی عدالت کے ججز کی تقرری

سپریم کورٹ کے ماتحت ایک وفاقی شرعی عدالت بھی قائم کی گئی ہے۔وفاقی شرعی عدالت میں بھی اعلیٰ عدالتوں کی طرح چیف جسٹس ہوتا ہے۔وفاقی شرعی عدالت چیف جسٹس سمیت زیادہ سے زیادہ آٹھ ججوں پر مشتمل ہوگی۔(۸۷) ججوں کی تقرری کا طریقہ وہی ہے جو ماقبل گزر چکا ہے۔چیف جسٹس ایسا شخص ہوگا جو عدالت عظمی کا جج ہو یارہ چکا ہو یا بننے کا اہل ہو یا جو کسی عدالت عالیہ کا مستقل جج رہ چکا ہو۔(۸۸) وفاقی شرعی عدالت میں چیف جسٹس سمیت کوئی بھی جج تین سال سے زائد اپنے عہدے پر فائز نہیں رہ سکتا۔باقی ججوں کی تقرری کا آئین کے مطابق وہی طریقہ کار ہے جو دیگر اعلیٰ عدالتوں کا ہے۔

ماتحت عدالتیں

پاکستان میں ہائی کورٹ کے ماتحت مختلف عدالتیں کام کر رہی ہیں اور یہ عدالتیں ضلعی سطح پر دو قسم کی ہیں:

سول عدالتیں

۱۔ ڈسٹرکٹ سول جج
۲۔ ایڈیشنل سول جج
۳۔ سینئر سول جج

سیشن عدالتیں

سیشن عدالتوں میں جرائم کے متعلق مقدمات پیش کیے جاتے ہیں اور یہ درج ذیل عدالتیں کام کر رہی ہیں:

۱۔ ڈسٹرکٹ سیشن جج

۲۔ ایڈیشنل سیشن جج

۳۔ مجسٹریٹ (درجہ اول، دوم، سوم)

ماتحت ضلعی کورٹس میں ججز کی بھرتی صوبائی پبلک سروس کمیشن کرتا ہے۔ ابتدائی جج کے بھرتی ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ گریجویشن کی ڈگری

۲۔ ایل ایل بی قانون کی ڈگری

۳۔ دوسالہ بطور وکالت کا تجربہ

۴۔ عمر ۲۲ سے ۳۵ سال تک[(۸۹)]

ججز کا تقرر سربراہ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ لہذا سربراہ مملکت اپنے صوابدیدی اختیارات کسی بھی شخص کو سپرد کرسکتا ہے۔ عصر حاضر میں ججوں کے تقرر کے دو اہم طریقہ کار ہیں۔

۱۔ انتخاب کرنا

کسی بھی شخص کو منصب قضاء کے لئے صوابدیدی اختیارات کی بنیاد پر کسی بھی ذریعے سے منتخب کیا جاتا ہے۔ چاہے خلیفہ وقت خود منتخب کرے یا پارلیمنٹ کی اکثریتی فیصلے سے یا عدالتی کمیشن کی سفارشات کے ذریعے منتخب کیا جائے۔ اس طریقہ کار میں سیاسی مصلحت، سفارش و رشوت کے ذریعے عہدہ حاصل کرنے کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مسابقتی امتحان کے ذریعے سلیکشن

ججوں کی تقرری کے لئے شرائط و پالیسی وضع کر کے اہلیت پر پورا اترنے والے اشخاص کا تقرر کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے محققین بھی اسی طریقہ کار کو درست قرار دیتے ہیں۔

وضوابط تعيين القضاة فی الوقت الحاضر حسب المستجدات و مقتضيات المصلحة المشروعة هی الشهادة العلمية واجراء امتحان مقابلة لمعرفة اللياقة البدنية و سلامة الحواس والتحری عن عدالته المراد تعيينه۔[(۹۰)]

"عصر حاضر میں قضاۃ کے تقرر کے عصری تقاضوں اور مصلحت کے مطابق ضوابط طے کئے جاتے ہیں اور وہ مخصوص ڈگری کا حامل ہونا، لیاقت معلوم کرنے کے لئے مقابلے کے امتحان کا انعقاد، میڈیکل سرٹیفکیٹ اور عدالت جاننے کے لئے انٹرویو وغیرہ کا اہتمام کرنا ہے۔"

مذکور فقہی قاعدے کے عمومی معنی اور پاکستان کے عصری قانون میں تو کوئی تعارض نظر نہیں آتا ہے۔ مگر فقہی قاعدے کو فقہاء کی ان تصریحات کی روشنی میں دیکھا جائے جن میں قاضی کی شرائط ذکر کی گئی ہیں تو پاکستان کا ججوں کی تقرری کے لئے بنایا گیا قانون مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ ادب القضاء کی روشنی میں قاضی کا مسلمان ہونا لازم ہے۔ مگر پاکستانی قانون میں پاکستان کا کوئی بھی شہری جج بن سکتا ہے۔ چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اسلامی احکامات کے مطابق شرعی علم رکھنے والا جبکہ پاکستان کے عصری قانون میں لاء کی ڈگری کی شرط رکھی گئی ہے۔ لہذا فقہی قاعدے کی پاکستان کے عصری قانون سے کوئی مطابقت نہیں ہے۔۔

نتائج تحقیق

۱۔ اسلامی ریاست میں لوگوں کے مابین تصفیے کے لیے قضاۃ کا تقرر خلیفہ وقت اور سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اسلامی ادب القاضی میں قضاۃ کے تقرر کے لئے مسلمان ہونا، عاقل و بالغ ہونا، اعضا کا صحیح سلامت ہونا، شرعی احکام کی واقفیت اور ساتھ ساتھ عادل ہونا متفقہ شرائط ہیں۔ جبکہ عورت کے قاضی بننے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پاکستانی قانون کے مطابق ججز کے لئے تعلیم، لاء کی ڈگری، اور ساتھ وکالت و ماتحت عدلیہ کا تجربہ لازمی ہے۔ لہذا عصری و شرعی قانون میں تضاد واضح ہے کیونکہ پاکستان میں غیر مسلم بھی جج بن سکتا ہے، اسی طرح عورت بھی جج بن سکتی ہے، شرعی قانون میں شریعت کا علم جبکہ پاکستانی قانون میں لاء کا تجربہ ضروری ہے۔

۳۔ مقالے میں مذکور فقہی قاعدہ یقدم فی کل ولایۃ من ھو اقوم بمصالحھا پاکستانی قانون سے کلی مطابقت رکھتا ہے۔ فقہی قاعدے اور پاکستانی قانون کی رو سے قابل سے قابل شخص جج ہونا چاہئے۔

۴۔ فقہی قاعدہ ما لا یتم الواجب إلا بہ فھو واجب پاکستانی قانون سے مغایرت رکھتا ہے۔ کیونکہ پاکستان میں ججوں کو تقرر کے وقت اختیار ہوتا ہے وہ اگر چاہیں تو اس عہدے کو چھوڑ سکتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہے، جبکہ فقہی قاعدے کی رو سے خلیفہ کسی شخص کو منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۵۔ فقہی قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات اور فقہی قاعدۃ ان الاصل العام فی طلب الولایۃ المنع دونوں کو ملا کر پڑھا جائے، تو پاکستانی قوانین سے مطابقت رکھتے ہیں۔

سفارشات

۱۔ پاکستان کے دستور و آئین کو اسلامی قانون کے مطابق ڈھالنے کی سرکاری سطح پر کوشش کی جائے۔

۲۔ قواعد فقہیہ کو بطور مضمون ایل ایل بی، ایل ایل ایم، اور ایم فل پی ایچ ڈی کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

۳۔ قواعد فقہیہ کا علم ججز کے لئے لازمی قرار دیا جائے۔ لہذا اس کے لئے عدالتی نظام میں اصلاحات لائی جائیں۔

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، (متوفی ۶۳۰ھ)، لسان العرب، بیروت لبنان، باب قعد، دار صادر، ۳/ ۳۵۷

۲۔ ایضاً؛ ابن فارس، احمد، (متوفی ۳۹۵ھ)، معجم مقاییس اللغۃ، بیروت، دار الجیل، ۱۹۹۱ء، ۵/ ۱۰۸

۳۔ البقرہ:۱۲۷

۴۔ النحل:۲۶

۵۔ جرجانی کا تعارف: جرجانی کا نام علی بن محمد ہے۔ علماء عرب میں بہت بڑے عالم اور لغت دان سمجھے جاتے ہیں۔ پچاس کے قریب تالیفات میں مشہور تالیف التعریفات ہے، الزرکلی، محمود بن عمر، (متوفی ۱۳۹۰ھ)، الاعلام، بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۹۰ء، ۵/ ۱۵۹

۶۔ الجرجانی، علی بن محمد، (متوفی ۳۹۲ھ)، التعریفات، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ص ۱۷۱

۷۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ فقہ، ۹/ ۳۴۵

۸۔ النساء:۷۸

۹۔ الجرجانی، التعریفات، ص ۲۱۹

۱۰۔ الحموی، احمد بن احمد، غمز عیون البصائر، ۱/ ۵۱

۱۱۔ شیخ زرقا کا نام مصطفی بن احمد بن محمد ہے۔ حنفیت کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ عصر حاضر کے جدید محققین میں شہرت رکھتے ہیں۔ بہت بڑے ادیب ہیں۔ المدخل الفقہی العام اور شرح القواعد الفقہیہ کے علاوہ دیگر تالیفات بھی ہیں۔ ولادت ۱۲۸۵ھ وفات ۱۳۵۷ھ (زرقا، مقدمہ شرح القواعد الفقہیۃ، دمشق، دار القلم، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء، ص ۱۷)

۱۲۔ زرقا، مصطفی احمد، المدخل الفقہی العام، ۲/ ۹۶۵

۱۳۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ قنن، ۳/ ۱۷۷

۱۴۔ کرم، عبد الواحد، معجم مصطلحات الشریعۃ والقانون، قاہرہ، دار الفضیلۃ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۲۴

۱۵۔ البقرہ:۱۷۳

۱۶۔ الزرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، (متوفی ۷۹۴ھ)، المنثور فی القواعد الفقہیۃ، کویت، وزارۃ الاوقاف، ۲/ ۳۱۷

۱۷۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، (متوفی ۲۷۹ھ)، سنن ترمذی، مصر، مکتبہ مصطفی البانی، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء، ۳/ ۶۱۸، رقم ۱۳۴۱

۱۸۔ امام نووی کا نام ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف ہے۔ حوران کے نواحی گاؤں نوی میں ۶۳۱ھ کو پیدا ہوئے۔ فقہ شافعی کے بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں وفات ۶۷۶ھ ہے۔ (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، متوفی ۷۷۴ھ، طبقات الشافعین، تحقیق احمد عمر ہاشم، محمد زینھم، مکتبہ ثقافۃ الدینیہ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء، ۱/ ۹۱۰)

۱۹۔ النووی، یحیی بن شرف، (متوفی ۶۷۶ھ)، شرح النووی علی المسلم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۲/ ۳

۲۰۔ امام قرافی کا پورا نام شہاب الدین احمد بن ادریس ہے۔ فقہ مالکی کے بہت بڑے فقیہ ہیں۔ مصر میں ۶۲۶ھ کو پیدا

ہوئے۔ تصانیف میں سے الذخیرۃ فی الفقہ، والتنقیح فی اصول الفقہ، الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ فقہ مالکی میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ علم فروق اور قواعد فقہیہ پر مالکی نقطہ نظر کے مطابق بہت ہی تحقیقی کام کیا ہے۔ مصر میں ۶۸۴ھ کو فوت ہوئے ہیں۔(ابن فرحون، ابراہیم بن علی، الدیباج المذہب، قاہرہ، تحقیق محمد الاحمدی، دارالتراث للطبع، س ن، ۱/ ۶۲-۶۸

۲۱۔ قرافی، شہاب الدین احمد بن ادریس، الفروق، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱/ ۶-۷

۲۲۔ ابوسعید ہروی کا نام محمد بن احمد بن ابی یوسف المکنیہرا تمیں پیدا ہوئے۔ فقہ شافعی کے فقیہ اور اصولی ہیں۔ الاشراف فی شرح ادب القضاء ان کی تالیف ہے۔ وفات ۴۸۸ھ، (الزرکلی، الاعلام، ۵/ ۳۱۶)

۲۳۔ زرقا، شیخ احمد زرقا، شرح القواعد الفقہیہ، دمشق، دارارقم، ص ۳۸

۲۴۔ ابن منظور، لسان العرب، مادۃ قضاء، تحقیق، عامر حیدر، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ، ۱۵/ ۱۸۶

۲۵۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادۃ ۱۷۸۵

۲۶۔ الماوردی، علی بن محمد ماوردی، متوفی ۴۵۰ھ، الاحکام السطانیۃ، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء، ۳۲۰

۲۷۔ الماوردی، الاحکام السطانیہ، ۸۷

۲۸۔ النبہانی، تقی الدین، یوسف بن اسماعیل، متوفیٰ ۱۳۵۰ھ، جمہرۃ دولۃ الخلافۃ، دارالامۃ للطباعۃ بیروت، ۱۱۸

۲۹۔ النساء:۱۴۱

۳۰۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ۵۳

۳۱۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ۵۳

۳۲۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ۵۳؛ ابن فرحون، ابراہیم بن محمد، متوفیٰ ۷۹۹ھ، تبصرۃ الاحکام،، مکتبۃ الکلیات الازھریہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، ۱/ ۲۷، ۲۵

۳۳۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، متوفیٰ ۲۷۵ھ، سنن ابی داؤد، مکتبۃ العصریہ بیروت، ۳/ ۲۹۹، رقم ۳۵۷۳

۳۴۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ۵۳

۳۵۔ ابن فرحون، تبصرۃ الاحکام، ۱/ ۲۴؛ شربینی، خطیب محمد احمد، متوفیٰ ۹۷۷ھ، مغنی المحتاج، دارالفکر بیروت، ۴/ ۳۷۵؛ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، متوفیٰ ۶۳۰ھ، المغنی، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ،، ۱۱/ ۳۸۰

۳۶۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، ۹/ ۵۵، رقم ۴۷۰۹

۳۷۔ الماردی، الاحکام السلطانیہ، ۵۳

۳۸۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود، متوفیٰ ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، ۷/ ۳

۳۹۔ الغزالی، محمد بن احمد، متوفیٰ ۵۰۵ھ، المستقیٰ، مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ، ۳/ ۳۵۰

۴۰۔ ابن رشد، محمد بن احمد، متوفیٰ ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مصر، مکتبۃ التجاریہ، ۲/ ۴۲۱ ؛ ابن فرحون، تبصرۃ الاحکام،

۱/۴۲؛ابن قدامہ، المغنی، ۱۱/۳۸۳

۴۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳

۴۲۔ القرافی، احمس بن ادریس، (متوفی ۶۸۴ھ)، الفروق، بیروت، عالم الکتاب، ۳/۱۰۲

۴۳۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲/۴۶۱؛ موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارت اوقاف کویت، ۳۳/۱۹۶

۴۴۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۴۵/۱۳۹

۴۵۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۲

۴۶۔ السبکی۔ الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ۲/۸۸

۴۷۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۳۳/۲۸۸ ؛ابن عابدین، ردالمحتار، ۵/۳۸۶

۴۸۔ الماوردی، ادب القاضی، ۱/ ۱۴۳، ۱۴۲، ۷۸

۴۹۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۴

۵۰۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۳۳/۲۸۸

۵۱۔ الماوردی، ادب القاضی، ۱/۱۴۲، ۱۴۳، ۷۸

۵۲۔ السبکی، الاشباہ والنظائر، ۱/۴۹

۵۳۔ السبکی، الاشباہ والنظائر، ۱/۴۹

۵۴۔ الحریری، القواعد والضوابط الفقہیۃ، ۲۲ ؛ابن عابدین، الدر المختار، ۵/۳۶۶

۵۵۔ القشیری، مسلم بن حجاج، متوفیٰ ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، ۵/۱۲۷، رقم ۶۶۲۲

۵۶۔ البخاری، صحیح بخاری، ۸/۱۲۷، رقم ۲۲۴۵

۵۷۔ ابن شیبہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، متوفیٰ ۲۳۵ھ، المصنف، مکتبۃ الرشد ریاض، ۶/۴۲۰، رقم ۳۲۵۵

۵۸۔ یوسف:۵۵

۵۹۔ ابن فرحون، تبصرۃ الحکام، ۱/۱۱۵

۶۰۔ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ۷۴

۶۱۔ ابن ابی الدم، ابراہیم بن عبد اللہ، متوفیٰ ۶۴۲ھ، ادب القضاء، تحقیق مصطفی زحیلی، مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق، ۸۶

۶۲۔ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ۷۴

۶۳۔ ابن فرحون، تبصرۃ الحکام، ۱/۱۴

۶۴۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۳۳/۲۸۷ ؛ابن فرحون، تبصرۃ الحکام، ۱/۱۳

۶۵۔ الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبد اللہ، متوفیٰ ۷۹۴ھ، المنثور فی القواعد الفقہیۃ، وزارت اوقات کویت، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ۳/۳۴۵؛ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، متوفیٰ ۹۷۰ھ، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ /

۱۹۹۹ء، ۱/ ۱۳۳۔ ۶۴

۶۶۔ ابو فارس، ساجدۃ محمد، متوفیٰ ۱۹۹۶ء مقالہ: ولایۃ المراۃ فی الزواج والطلاق، ایم اے دراسیات علیا، جامعہ اردن عمان، ص ۶

۶۷۔ الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند امام احمد، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۴۲/ ۲۰۰، رقم ۲۵۳۲۶

۶۸۔ زرقا، احمد بن الشیخ، متوفیٰ ۱۳۵۷ھ، شرح القواعد الفقھیۃ، دار القلم دمشق، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء، ۱/ ۳۱۱

۶۹۔ السیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱/ ۱۸۵

۷۰۔ الماوردی، علی بن محمد، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء، ۱۶/ ۱۵۵

۷۱۔ الدارمی، محمد بن حبان، متوفی ۳۵۴ھ، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ۵/ ۵۰۷، رقم ۲۱۳۵

۷۲۔ الماوردی، الحاوی الکبیر، ۱۶/ ۱۵۵

۷۳۔ پنجاب سول سروس رولز، محکمہ خزانہ حکومت پنجاب، حصہ ا، آرٹیکل ۳:۲

۷۴۔ قلعہ جی، محمد رواس، متوفیٰ ۱۹۸۴ء، موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب، مکتبۃ الفلاح کویت، ۵۶۱

۷۵۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، متوفیٰ ۱۲۵۲ھ، الدر المختار شرح تنویر الابصار، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، ۵/ ۳۶۸

۷۶۔ ابن عبد السلام، عبد العزیز بن عبد السلام، متوفی ۶۶۰ھ، قواعد الاحکام فی مصالح خیر الانام، مکتبۃ الکیات الازہریہ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء، ۱/ ۸۱

۷۷۔ www.wikipedia.org.muslim. Aabitaintion Tribunal dated.2-1-2017

۷۸۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، شائع شدہ قومی اسمبلی آف پاکستان، ۲۰۱۲ء، آرٹیکل نمبر ۱۷۵-۱

۷۹۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۶

۸۰۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵۔ ۳

۸۱۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵۔ ۵

۸۲۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵۔ ۸

۸۳۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵-۸ تا ۱۰

۸۴۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵-۲ تا ۱۳

۸۵۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۹۹-۱ تا ۵

۸۶۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۷۵-۵

۸۷۔ ایضاً، آرٹیکل ۱۹۳-۲

۸۸۔ ایضاً، آرٹیکل ۲۰۳-۲

۸۹۔ پنجاب لیگل پریکٹس اینڈ بار کونسل ایکٹ ۱۹۷۴، آرٹیکل ۱۰، ۱۲:۷

۹۰۔ زیدان، عبد الکریم، نظام القضاء فی الشریعۃ الاسلامیۃ، بغداد، مطبعۃ العانی، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء، ص: ۴۲۰